ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ

از جناب مولوی سید عقیل محمد صاحب بی۔ ایس سی۔ ایل۔ ایل بی (علیگ)

سرزمین ہندوستان ایک زرخیز ملک ہے جس کو جغرافیائی ضابطہ کے بموجب برّاعظم بھی کہا گیا ہے اور تاریخی حیثیت سے نہ صرف عہدِ ماضی میں اُس کو ایک خاص اہمیت حاصل رہ چکی ہے بلکہ دور حاضر میں بھی ایشیا اور یورپ کی نگاہیں مختلف وجوہ سے اس کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ اس وسیع برّاعظم میں آٹھ سو برس تک مسلمانوں کی حکومت کا ڈنکا بجتا رہا اور یہ وہ حکومت تھی جس کے اصول و فروع کا اکثر حصہ باوجود انقلابات اور فرمانرواؤں کی تبدیلی کے تمام تر قوانین شریعت پر مبنی تھا بجز اس کے کہ تخت نشینی میں وراثت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہندوستان اُس وقت زمانہ کی ترقی کے مطابق زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ترقیات کا حامل تھا۔ وہ علوم و فنون کا مرکز تھا تجارت و صنعت میں اُس کی حیثیت مُوجد اور رہبر کی تھی، شہری اور دیہاتی رعایا خوشحال و مامون تھی اور ملک کی آبادی ہر گوشہ میں فروغ پر تھی۔ ہندوستان کی تمام دیگر اقوام میں مُسلمان امراء کی معاشرت اسلامی اخلاق کی کشش اور اسلامی انصاف و ترحُّم کی بلندی ضرب المثل تھی حاکم و محکوم میں محض خوف و دہشت کا رشتہ کارفرما نہ تھا بلکہ محکوم کے دل میں عزت و محبّت کے وہ جذبات پیوست ہو چکے تھے جس کو انقلابِ زمانہ ایک عرصہ تک محو کرنے سے عاجز رہا۔

ایّام غدر میں تقدیر الٰہی غالب آئی اور اسلامی سلطنت کا دَور ہندوستان سے رخصت ہوا۔ زمام حکومت جب انگریز کے ہاتھ آئی تو اُسے اچھی طرح محسوس ہو گیا کہ اُس کا ملکی قانون یا فلسفۂ سیاست

ہندوستان کی انوکھی اور غیر معمولی مشکلات کو حل کرنے کیلئے کوئی لائحہ عمل پیش نہیں کرتا نیز اُس نے لال قلعہ میں داخل ہوتے ہی اس تحیر خیز ویرانہ کی ہر چیز کو بغور دیکھا اور اُس کی عظمت و شوکت سے دل ہی دل میں مرعوب ہو کر رہ گیا چنانچہ انگریز مورخین کی تحریریں اس قول کی پوری تائید کرتی ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں اس وقت صرف اس سے بحث ہے کہ انگریز کو بجز اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ تمام محکموں کی تشکیل اور مال و دیوانی کے قواعد کی ترتیب مسلمان ارباب اقتدار کے مشورہ سے عہدِ سابق کے طریقہ پر کی جائے۔ مسلمان بادشاہوں کی سیاسی تصنیفات مثلاً آئین اکبری تزک جہانگیری وزیروں کی بے شمار مدون و منتشر تحریرات جو جابجا سرکاری دفتروں اور قلعوں میں پائی جاتی تھیں بغور پڑھی گئیں اور اُن کے ترجمے انگریزی میں کئے گئے۔ صیغۂ رجسٹری مال و بندوبست تمامتر اکبر اعظم کے فاضل وزیر راجہ ٹوڈرمل کے مجوزہ اصول پر قائم کیا گیا اور بیسیوں قدیم اصطلاحات انگریزی عبارتوں میں بدستور قائم رہیں کیونکہ اُن کا مرادف یورپین زبانوں میں قطعی نہیں پایا جاتا۔ دیوانی کے معاملات کا تصفیہ علماء کے فتوؤں پر کیا جاتا تھا اور صدر الصدور اور صدرِ اعلیٰ کے عہدوں پر کثرت سے مسلمان شرفا اور اُمراء کو مقرر کیا گیا جو قانونِ شریعت اور حکومت کے انداز سے واقف تھے۔ یہ دستور غدر کے پچیس برس بعد تک جاری رہا کیونکہ ہندوستان کا قانونِ انتقالِ جائداد ۱۸۸۲ء میں نافذ کیا گیا جو اموال غیر منقولہ بیع و رہن، تبادلہ، ہبہ، کرایہ داری، دخل دہانی وغیرہ مسائل پر حاوی ہے۔

تاریخ کے یہ چند اوراق صاف طور پر بتاتے ہیں کہ اسلامی قانون ایک بڑے سے بڑے ملک کی سیاست کے ہر شعبہ کا نہ صرف متکفل ہو سکتا ہے بلکہ اپنے برتنے والوں کو غیر معمولی استحکام عروج اور مقبولیت بخشنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ مدبران فرنگ کو بھی اُس کے چوکھٹ پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور اُنھوں نے اپنی حکومت کا ابتدائی خاکہ اُسی سے حاصل کیا۔ مگر جدید فاتح قوم کے لئے

اپنی سلطنت کو مخصوص اُصولوں اور مخصوص اغراض کی بنا پر قائم کرنا ضروری تھا سب سے اوّل ملکی سیاست پر قبضہ کرنے کیلئے فوجداری کا قانون تعزیرات ہندیہ عجلت تمام ۱۸۶۰ء میں نافذ کر دیا گیا۔ اس انتظام کا دوسرا اہم شعبہ ملکی معیشت ہے جس میں تجارت، لگان و دیگر محاصل وغیرہ داخل ہیں چنانچہ مغربی طریقہ پر کاروبار اور بالخصوص درآمد کی تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے سودی قرض کو جائز قرار دیا گیا اور قانون انتقال جائداد میں شریعت اسلامی کی گہری اور منصفانہ قیود کو یکسر اُٹھا دیا گیا تاکہ جملہ انتقالات غیر معمولی سہولت سے عمل میں آسکیں اور بعض ذاتی حقوق ملک کی تعریف میں داخل ہو کر قابلِ انتقال بن سکیں نیز اموال غیر منقولہ کا بیع و رہن منقولہ اشیاء کی طرح جاری ہو کر تجارتی کاروبار میں تیز رفتاری کا باعث ہو۔

مزروعہ جائداد قانون اراضی سلطنت کے اندرونی و بیرونی مصالح کے سانچے میں ڈھال دیا گیا۔

ملکہ وکٹوریہ کا اعلان اسی دوران میں ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کا تاریخی اعلان شائع ہوا جس کی رو سے تمام رعایا کو امن کا وعدہ دیا گیا اور مذہب اور مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے کامل اجتناب کی بشارت سنائی گئی۔ یہ وہی اعلان تھا جس سے اپنی تقریر میں استدلال کرتے ہوئے مولانا محمد علی مرحوم نے کراچی کے مقدمہ میں تعزیرات ہند کا تار و پود بکھیر دیا تھا۔ ہم کو ملکہ موصوفہ کی نیت کے بابت بدظنی کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس پر شوکت اعلان پر جو عملدرآمد ہوا اُس کا ماحصل یہ تھا کہ مذہب کو بطور ایک نجی معاشرت کے باقی رہنے کے سوا رعایا کی زندگی میں کوئی دسترس حاصل نہو۔ بے شک اس اعلان کی بدولت عبادات کی صورت اپنی جگہ پر قائم رہی مگر رفتہ رفتہ معاملات کا کوئی جزء انگریزی قانون اور تخیل کی دست برد سے محفوظ نہیں رہا جس کو ایک غیرت مند مسلمان محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ احکام خداوندی کے خلاف پر مجبوری کا سامنا ہونے سے اُس کو اپنی زندگی کا مقصد اولین فوت ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

زعماء انگلستان کا دعویٰ اور اُس کی حقیقت۔ یہ واقعہ ہے کہ زعماء انگلستان اب بھی مدعی ہیں کہ ہندوستان کو مکمل مذہبی آزادی

حاصل ہے لہذا ضروری ہے کہ قانونی حیثیت سے اس دعوے کی حقیقت کو بالتفصیل معلوم کیا جائے اور پھر شرعی قانون میں جو افسوسناک قطع و برید پائی جاتی ہے اُس کے ذرائع اور انسدادی تدابیر پر غور کیا جائے۔ ہم بلاخوف تردید مکرر کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون کا ہر وہ باب جو کسی طرح سے ملکی اقتصادیات پر اثر انداز ہو سکتا تھا مطلقاً ترک کر دیا گیا۔ قانون انتقال جائداد ۱۸۸۲ء میں وراثت، وصیت اور وقف سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے البتہ ہبہ کا باب اُس میں موجود ہے مگر دفعہ ۱۲۹ میں مسلمانوں کے ساتھ رعایت کی گئی ہے کہ اُن کو اس باب کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ اس طرح ابواب وراثت ولایت، وقف، وصیت، ہبہ، شفعہ اور نکاح وطلاق جن کا تعلق افراد کی پرائیویٹ زندگی سے متجاوز نہیں ہے کسی قانون سازی کا نشانہ نہیں بنائے گئے۔ یہ جملہ مضامین عدالتوں میں شرع محمدی کے تحت میں شمار کئے جاتے ہیں مگر یہ مسائل ایک دوسرے مستحکم ذریعہ سے متغیر کر دئے گئے اور چونکہ یہ سلسلہ بھی ایسے دور میں ظہور پذیر ہوا جبکہ مسلمانوں کا مذہبی احساس روبہ زوال تھا اور اُن کا شیرازہ تیزی سے پراگندہ ہو رہا تھا اس لئے ان تغیرات کی رفتار بلا کسی رُکاوٹ کے قائم رہی اور آج ہم نتیجہ کے اعتبار سے جائزہ لیتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ عدالتی "شرع محمدی" کی نوعیت ایک دو غلے قانون کی سی باقی رہ گئی ہے جو اسلامی معیار کے بموجب ایک قالب بے جان سے بہتر نہیں ہے۔ ان ترمیمات کا ذریعہ وہ غیر مکمل انگریزی شروح اور ناقص تراجم ہیں جن پر انگریز ججوں نے فیصلوں کے صادر کرنے میں انحصار کیا۔ ھدایہ اور فتاوی عالمگیری وغیرہ کے تراجم نیم مُلّا مصنفین نے کئے اور جو عبارتیں اُن کے نزدیک غیر ضروری معلوم ہوئیں اُن کو چھوڑ دیا گیا۔ مسائل جدیدہ کا استنباط کرتے وقت اُصول فقہ کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا نہ اس سے کارپردازانِ انصاف کو کوئی واقفیت تھی۔ علاوہ ازیں اپنی رائے اور دخل کو آزادی سے داخل کیا گیا اور طلاقِ مکرہ اور اسی جیسے مسائل پر تنقید کرتے ہوئے طے کر دیا گیا کہ معاذ اللہ ایسے خلافِ عقل مسائل کو شاید ہی کوئی ہندوستانی عدالت نافذ کرے گی۔

اکثر مقامات پر فقہاء کے غیر موثر یا فروعی اختلافات کو نمایاں کر کے اہم جزیات کو قلم زد کر دیا گیا۔ نیز انگریز ججوں نے اپنے رجحانِ طبع کے مطابق عورتوں کے حقوق میں بیجا مبالغہ سے کام لیا اور ان مسائل میں جہاں کوئی پیچیدگی درپیش ہوئی وہاں ایسے خلاصے اخذ کر لئے گئے جو اُن کے ذاتی جذبات کے لئے تسکین بخش ہوں اور فقہ کی موشگافیوں سے بھی ہمیشہ کے لئے چھٹکارا ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہر باب میں نظائر کا غلط در غلط ذخیرہ موجود ہے جس پر ہر عدالت عملدرآمد کرنے پر مجبور ہے۔ مسلّمہ دستور العمل کے مطابق فقہ کی کوئی مدلّل اور مبسوط بحث اِن نظائر کو برطرف کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہائی کورٹوں کے سابق فیصلوں کو ہدایہ اور شاہی فیصلوں پر فوقیت حاصل ہے لطف یہ ہے کہ مواد فقہ پر دسترس حاصل نہ ہونے کے سبب عورتوں کے حقوق کی بابت بعض مفید ابواب کو بھی نظر انداز کر دیا گیا مثلاً طلاقِ کنایہ زوجہ متعنّت، خیارِ کفارت۔ حُرمت مصاہرت وغیرہ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کے مختلف ابواب میں جو ترمیمات نظائر اور تراجم مذکورہ کی بدولت رونما ہو کر قانون ثانی کی حیثیت سے قائم ہو گئی ہیں اُن کی مثالیں ہر عنوان کے تحت میں درج کر دی جائیں تاکہ مسلم مدبرین اور مصلحین کو آگاہی ہو جائے اور آئین انسداد کے مسئلہ پر مفید نتائج اخذ کئے جا سکیں۔

وراثت یہی ایک خوش قسمت باب ہے جس کی جزئیات میں بہت کم ردوبدل ہو سکا ہے اور یہ زیادہ تر فقہا رحمہم اللہ کی محنتوں کا طفیل ہے جنہوں نے ذوی الفروض اور عصبات کے حصص مع ضمنی شرائط کے نقشہ جات کی شکل میں مدوّن کر دیے ہیں اور کمی بیشی حسابات واضح مثالیں بھی بیان کر دی ہیں۔ اس کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ چنانچہ یہی ایک مضمون ہے جس میں ہائی کورٹوں کے فیصلے نظائر کی وقعت نہیں پا سکے اور شرعی قانون اپنی جگہ پر قائم رہا لیکن اس کے باوجود مندرجہ ذیل مسائل جو اخذ کر کے لکھے جاتے ہیں قابل ملاحظہ ہیں۔

(۱) کسی شخص متوفی کے ترکہ کی تقسیم پر اُس کے دیون اور وصیت کو مقدم رکھا جائے گا لیکن جب

قرضخواہ خود وارث ہو تو اُس کا دین معدوم نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اُس کے لئے لازم ہوگا کہ بقدر اپنے حصہ وراثت کے مطالبہ کو تخفیف کرکے ترکہ سے حاصل کرے اس میں خیال نہیں کیا گیا کہ جبکہ وارث مذکور متوفی کی حیات میں دائن ہو چکا تھا اور اُس وقت وہ اپنا حصہ وراثت متعیّن نہیں کرسکتا تھا نہ اپنے وارث ہونیکا یقین کامل کرسکتا تھا تو اُس میں اور دیگر قرضخواہوں میں امتیاز کرنا قرین انصاف بھی نہیں ہے۔

(۲) زوجہ متوفی بعوض دین مہر کے کُل جائداد متروکہ پر قابض ہوسکتی ہے اور اگرچہ منافع موصولہ کا حساب اُس سے لیا جاسکتا ہے مگر عدم ادائیگی مہر کے بابت وہ معاوضہ پانے کی مستحق ہوگی دین مہر کے قبضہ کا حق بعض ہائی کورٹوں کے نزدیک قابل انتقال بھی ہے اور بعض کے نزدیک اُس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔ ہر وارث بقدر اپنے حصہ کے مطالبہ ادا کرنے پر حصہ رسد جائداد واپس پانے کا مستحق ہوگا۔

ہبہ (۱) غیر منقولہ جائداد میں مُشاع کا ہبہ بالکل جائز اور ہر حالت میں قابلِ نفاذ قرار دے دیا گیا ہے۔

(۲) اگر واہب کو شئے موہوبہ پر پورا قبضہ حاصل نہیں ہے تب بھی ہبہ اُس صورت میں جائز متصور ہوگا کہ واہب جس قدر قبضہ اُس کو حاصل ہے موہوب لہ کو ادا کردے۔

(۳) اگر واہب کو کوئی قبضہ واقعی حاصل نہیں ہے اور جائداد کسی تیسرے شخص کے مخالفانہ تصرّف میں ہے تب بھی ہبہ جائز ہوگا بشرطیکہ واہب قبضہ دیدینے کی کارروائی اپنی جانب سے مکمل کرچکا ہو مثلاً مکان ایسی رعایا کے قبضہ میں ہے جو واہب کو قبضہ دینے سے مُنکر ہے تب بھی اگر وہ ہبہ کرنیکے بعد رعایا مذکور کو مطلع کردے کہ آیندہ حقوق مالکانہ موہوب لہ کو ادا کرے تو ہبہ مکمل متصور ہوگا۔

(۴) کسی مکان مسکونہ کے ہبہ میں اگر واہب اور موہوب لہ میں زیادہ یگانگت کا رشتہ ہو جیسے کہ باپ بیٹے یا زوجین میں تو ایسی صورت میں ایک کا دوسرے کو مکان خالی کرکے قبضہ دینا شرط نہیں ہے بلکہ ہبہ کا قطعی اعلان کافی ہے۔

معاملات زوجین (۱) اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر چلی جائے تو موخر الذکر کے پاس کوئی موثر

ذریعہ اول الذکر کو حقوق زوجیت ادا کرنے پر مجبور کرنے کا نہیں ہے ۔

(۲) اگر شوہر اپنے حق کو عدالت میں ثابت بھی کردے اور ڈگری حاصل کرے اور عورت ڈگری کی تعمیل سے گریز کرتی ہو تو بجز اس کے کہ شراءً زوجہ کا مال نیلام کردیا جائے اور کوئی تدبیر زوجہ کو بُلانے کی نہیں ہی جبکہ زوجہ صاحب ثروت نہو تو وہ ڈگری ایک بیکار شئے ہے ۔

(۳) اگر شوہر دخل زوجیت کا مُدعی ہو اور زوجہ اُس کے ساتھ رہنے میں کوئی جسمانی یا روحانی اندیشہ ثابت کردے تو شوہر کا دعویٰ مسترد کردیا جائے گا ۔

(۴) دخل زوجیت کے دعوے میں اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ بعد وطی ہونے کے زوجہ بلا رضامندی شوہر چلی گئی ہے اور اب وہ مہر طلب کرتی ہے تو شوہر صرف اس شرط سے زوجہ کی واپسی کا مستحق ہوگا کہ پورا مہر ادا کردے ۔

طلاق و نکاح (۱) اگر کوئی شادی شُدہ غیر مُسلم عورت اسلام قبول کرنے کے بعد کسی مُسلمان مرد سے شادی کرلے اور اُس کے سابقہ مذہب کے بموجب تبدیل مذہب سے نکاح فسخ نہوتا ہو تو اُس پر بجائے شرع شریف کے پہلا قانون نافذ ہوکر اسلامی نکاح باطل قرار پائے گا اور مسلمان مرد مجرم سمجھا جائے گا۔ اس کے برعکس چونکہ اسلامی قانون کے بموجب تبدیل مذہب سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے اس لئے مُسلمان عورت خدانخواستہ مُرتد ہو کر آزادی سے غیر مسلم سے شادی کرسکتی ہے ۔

(۲) چونکہ قانونی بُلوغ مرد اور عورت کے لئے اٹھارہ سال ہوتا ہے اس لئے اس سے کم عُمر کی غیر مسلم عورت اگر خلاف رضامندی والدین کے قبولِ اسلام کرکے مُسلمان مرد کے ساتھ نکاح کرلے اور چلی جائے تو موخر الذکر اغوا کا مُرتکب ہوگا۔

(۳) خیار البلوغ میں قدرتی بلوغ کی تفتیش کی حاجت نہیں ہے کہ سن بُلوغ پندرہ سال کا مقرر اور مُسلّم ہے ۔ حالانکہ اگر علامات بلوغ پندرہ برس سے پہلے بھی ظاہر ہو جائیں تو شرعاً بلوغ کا حُکم

لگایا جائے گا۔

(۴) خیار البلوغ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ بالغ ہوتے ہی فسخ نکاح کا ارادہ ظاہر کر دیا جائے بلکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نابالغ کو بعد بلوغ کے اپنے استحقاقِ فسخ کا علم ہی دیر میں ہوا تو اُس وقت فسخ کر دینا بھی معتبر ہوگا۔

(۵) بلوغ کے بعد باوجود نکاح کے علم ہونے کے اگر کسی معقول وجہ سے فسخ کرنے میں تاخیر ہوئی تب بھی انفساخ صادر ہو جاتا ہے۔ (۶) لعان کے لئے دارالاسلام شرط نہیں ہے۔

(۷) لعان کے ثابت کرنے کے لئے قسموں کا کھانا اور لعنت کرنا جس طرح قرآن شریف میں مذکور ہے ضروری نہیں ہے بلکہ مقدمہ کی سماعت شروع ہوتے وقت اگر شوہر اپنے الفاظ کو واپس لے لے اور معافی طلب کرے تو دعویٰ مسترد کر دیا جائے گا۔

اہلِ علم اگر شرع محمدیؐ کی پوری تفصیلات سے واقف ہو جائیں تو بالیقین بہت زیادہ نقائص کا انکشاف ہو سکتا ہے تاہم امثالِ مذکورہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مروّجہ عدالتوں نے شریعت اسلامی کے اُن چند ابواب کو جو نافذ ہیں کس قدر مکدر کر دیا ہے۔ زمانۂ حال میں مسلمانوں کو اس خامی کا احساس ہوا تو اُدھر مسٹر عبداللہ کا شریعت بل اسمبلی میں پیش ہو کر منظور رہوا۔ اور ادھر مسٹر کاظمی کا طلاق بل اب زیرغور ہے۔ افسوس کہ اول میں ایسی ترمیمات داخل ہو گئیں کہ وہ جبری قانون کی حیثیت کو نہیں پہنچ سکا اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۳ پر ہائی کورٹوں کی آنے والی نظائر اُس کو ایک قابل نفرت چیز بنا دیں گی مسٹر کاظمی کا طلاق بل سلکٹ کمیٹی کے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہے چونکہ نکاح وطلاق کے جن اُمور میں قضاء قاضی شرط ہے وہاں قاضی کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اسی کے مدنظر بل کے لائق مصنف نے ہر ایسے معاملہ کا عدالتوں میں مسموع ہونا لازمی قرار دیا تھا۔ مگر سلکٹ کمیٹی کے بداندیش ممبران نے اس شرط کو فرقہ وارانہ ذہنیت کا نتیجہ تصور کر کے

مذہبی آزادی کا ایک جدید مرقع ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس اہم ترمیم کے بعد مسٹر کاظمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس بل کی کوئی حمایت کریں بلکہ اس کو مطلقاً ترک کر دینا ہی مناسب ہوگا ورنہ دیگر قواعد منظور ہو جائیں گے اور غیر مسلم عدالتیں روزمرہ فسخ نکاح کی ڈگریاں صادر کریں گی جس پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا اور حلال کے پردے میں حرام کی ارزانی ہو جائے گی۔ نیز اس ترک سے غیر مسلم ممبران اسمبلی کو واضح ہو جائیگا کہ مسلمانی عدالت کی شرط کسی اہم مذہبی ضرورت سے مندرج کی گئی تھی اور اس سے کوئی سیاسی تفوق حاصل کرنا یا غیر مسلم عدالتوں کی دیانت پر حملہ کرنا مقصود نہ تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قانون شریعت کے نفاذ کے وسیع مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے اور آئین اور ملکی مشکلات کو سامنے رکھکر متحدہ طور پر کامیابی کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

(باقی)

———— (٭٭٭) ————

سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اسکے اقسام

(۲)

ارتقائی اشتراکیت

از جناب سید منتخب الدین صاحب شمسی ایم۔ اے۔ رفیق ندوۃ المصنفین

اس نظریے کے حامیین اس بات کے قائل ہیں کہ اشتراکیت ہمارے مطالبے یا خواہش پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ انسانی جماعت کی ارتقائی منازل کا ایک لابدی نتیجہ ہے۔ اس نظریہ کی دو شاخیں ہیں۔

۱۔ ڈارون (Darwin) کا سوشلزم یا اشتراکیت۔

۲۔ مارکس (Marx, Eng) اور اینجل کا سوشلزم یا اشتراکیت۔

ڈاروینزی اشتراکیت: اس اشتراکیت کی بنیاد ڈارون کے مخصوص اصولوں پر ہے جو علوم طبیعی سے متعلق ہیں۔ انہی اصولوں کو انسانی عمرانی زندگی پر منطبق کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور وہ بھی اس نقطۂ نظر سے کہ انسانی حیات ارتقائی منازل سے گذر کر لازماً اشتراکیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جائے گی۔ Woltmann (وولٹ من) اسی خیال کا اشتراکی ہے چنانچہ اس کا خیال ہے کہ انسانی تمدن کی تاریخ بھی علم حیات کے اصولوں یعنی مطابقت، وراثت، تنازع للبقا پر کاربند ہے ذاتی سرمایہ کا نظام

ڈارون کے بیان کے مطابق تنازع للبقا کے اصول کے خلاف ہے۔ لوگوں کے آپس کے مقابلہ کو جسقدر ممکن ہو طبیعی بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یعنی انسانوں کی تمدنی حالت کے مطابق ان کا لحاظ رکھا جائے اور یہی سوشلزم یا اشتراکیت کا مقصد ہونا چاہیے۔ ہر کام کرنے والے کو کام سے لگا دینے کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ گویا ہر ایک میں اپنی قابلیت کے اظہار کا جوش پیدا کر دیا جائے جیسا کہ حیوانی دُنیا میں بھی پایا جاتا ہے کمال کے ارتقائی منازل کو طے کرنا تنازع للبقا کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ سرمایہ داری نظام کی اشیاء استعمال پیدا کرنے والی جماعت میں اشیاء اور ملازمتوں کے لئے، تجارتی مقابلۂ جنگ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا اور یہی ہماری بربادی اور افلاس کی بڑی وجہ ہے۔

مارکسزدی اور انجلز والی اشتراکیت یہ بھی اجتماعی زندگی کے قدرتی ارتقا کی قائل ہے لیکن علوم طبیعی کے اُصول عمرانی زندگی پر منطبق نہیں کرتی بلکہ اس کا فلسفہ جماعت جداگانہ ہے جو انسانی تاریخ کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔

تاریخ کے اس نقطہ نظر کی مربوط و منضبط وضاحت کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس تاریخ کے بُنیادی خیالات اور اُصول کے متعلق واقفیت بہم پہنچانے کے لئے میں انجل کی تحریر The develope-ment of socialism from Utopia to a Science اور اس کے علاوہ انجل اور مارکس کے مرتبہ اور ۱۸۴۸ء میں پہلی مرتبہ شائع شدہ "اشتمالی منشور" Communistic manifesto کے مطالعہ کو بہتر سمجھتا ہوں۔ تاریخ کے مادی نقطۂ نظر کے متعلق سب سے پہلے میں ایک غلط فہمی رفع کرنی چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ نام کے اعتبار سے اس نظریہ کا تعلق فلسفۂ مادیت سے نہیں ہے جس کے ماتحت عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تمام روحانی و ذہنی زندگی کا دارومدار مادے پر ہے اور تمام وجود جسمانی حرکات و سکنات کا نتیجہ ہے نظریۂ مادیت جس کے حامی ڈیموکرٹ (Demokrit) سے لے کر بوشنر (Buchner) اور ووٹ (Vogt) وغیرہ ہیں

ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ تمام روحانی وذہنی عملیات کی تشریح مادیت کے نقطۂ نظر کے مطابق کریں لیکن اس کے برخلاف اقتصادی مادیت کا نصب العین اس قوت کو دریافت کرنا ہے جو انسانی جماعت کے ارتقا میں کارفرما ہے۔ تاریخی مادی نظریہ تمام اجتماعی زندگی کو بالآخر اقتصادی عملیات کے نتیجہ کے طور پر دیکھتا ہے اس لحاظ سے میرے خیال میں اس کا نام اقتصادی یا شیئیت پسندانہ تاریخی نقطۂ نظر زیادہ صحیح ہوگا۔

تاریخی مادی نقطۂ نظر جیسا کہ بعض نکتہ چینوں کا خیال ہے۔ آئیڈیل یا (Ideals) کو کالعدم یا قابلِ انکار تصور نہیں کرتا۔ اور نہ تمام اشیاء کو مادی استفادہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔

مجھے ذرا تاریخی مادی نظریہ کی حقیقت مختصراً بیان کر لینے دیجئے۔

اِس نظریہ کے مطابق انسانی جماعت کے نظام کی بنیاد اوّلاً پیداوار ثانیاً اشیاء کے تبادلہ ہے۔ لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشیاء کس طرح فراہم کی جائیں اور اُن کی ساخت اور تبادلے کا انتظام کس طور پر کیا جائے۔ اسی سوال سے وابستہ یہ سوال بھی ہے کہ انسان کس نظام کے ماتحت زندگی بسر کر سکتے ہیں جب اشیاء کی فراہمی و پیداوار کا طریقہ بدل جاتا ہے تو لازمی طور پر قانون بھی بدل جاتا ہے اب آپ خود تصور کر سکتے ہیں کہ یہ نظریہ روحانی یا ذہنی نظریہ سے اُصولاً کس قدر مخالف ہے۔ دراصل نئے نئے انسان کی جماعتی زندگی کے نظام انسانی دماغ کی اختراع کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اقتصادی قوتوں کے لازمی ارتقاء کے باعث تمام انقلابات رونما ہوتے ہیں۔

مثلاً ابتدائی زمانے میں وسیع پیمانے کی کاشتکاری وزراعت کے لئے جاگیرداری (Feudalism) جماعتی نظام مناسب تھا۔ لیکن یہی نظام مرکزیت کے اعتبار سے سرمایہ داری کی زراعت کے لئے نامناسب معلوم ہوتا ہے اسی طرح جب صنعت وحرفت ہاتھ کے کام تک محدود تھی تو قیام برادری کی رسم یا رواج پیدا ہوا۔ لیکن جب مشینوں سے کام لینے میں ترقی ہوئی اور فیکٹریاں